© rasailojaraid.com

عہد نبوی کا مذہبی نظام

مذہبی عمال کے تقرر کی حکمت عملی

ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی

اسلام میں دین و دنیا اور مذہب و سیاست کی تفریق جائز نہیں ہے اور ایک مشہور مقولہ کے مطابق دین اور مملکت دو توام (ہم زاد) ہیں جن کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی عہد کے صدر اول میں عملاً بھی سیاسی خدمت دین ہی شمار ہوتی تھی[1]۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعد کے مسلم حکمرانوں نے اپنے شخصی مفادات، گروہی تعصبات اور غیر مذہبی رجحانات کے سبب دین و سیاست کے درمیان تفریق کی دیوار کھڑی کر کے اسلامی نظریۂ سیاست کو نہ صرف پس پشت ڈال دیا بلکہ اسے ناقابلِ اصلاح نقصان بھی پہنچایا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ خیر و برکات میں بہر حال دین و سیاست مذہب و حکومت اور اسلام و ریاست باہم اس طرح جڑے ہوئے تھے کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ دین و ریاست کے اس اجتماع بے مثال میں دین کو تفوق حاصل تھا کہ وہ اصل سرچشمۂ حیات و قوت تھا جبکہ ریاسنت اس سرچشمہ سے فیضیاب ہونے والی ایک آب جو۔ دین سیاسی قوت کا ضمیمہ یا اس کی پیداوار نہیں تھا بلکہ سیاسی قوت اور ریاستی طاقت دین کو استحکام و مضبوطی عطا کرتی تھی۔ دین اصل تھا اور ریاست اس کا نتیجہ، مذہب اساس تھی اور سیاسی قوت اس کے برگ و بار۔ اور صرف مدینہ منورہ میں ان دونوں کا پاکیزہ اور نادر اجتماع ممکن ہوا تھا جبکہ مکہ مکرمہ میں دین تو موجود تھا، لیکن سیاسی قوت اور ریاست موجود نہ تھی۔ مدینہ منورہ میں ریاست پر دین کی بالادستی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سیاسی قوت اور سارے سیاسی اداروں کو دین کی تبلیغ و اشاعت، استحکام اور اس کے اجرا و نفاذ کے لئے استعمال کیا تھا اور اس کے برعکس معاملہ کا کوئی ثبوت ہم کو اسلامی تاریخ کے صفحات میں نہیں ملتا۔

چونکہ سیاسی ادارے بشمول اسلامی ریاست دین کی خدمت اور اس کے فروغ کے لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وقف تھے۔ اس لیے تمام سیاسی عہدہ دار اور منصب دار بھی اسلامی خدمات کے لیے بالواسطہ طور سے وقف تھے۔ اس سے قبل ہم دیکھ چکے ہیں کہ مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کے تین مختلف شعبوں ـــ فوجی، شہری اور مالی نظم و نسق ـــ کے افسروں اور کارکنوں نے اسلامی نظام کے لیے کیا خدمات انجام دی تھیں اور ان کی تقرری کن بنیادوں پر کی گئی تھی[2]۔ اس مضمون میں ہم یہ مطالعہ کریں گے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہبی امور کے شعبہ کی تنظیم کن بنیادوں پر استوار کی تھی اور مختلف مذہبی اداروں میں کارکنوں اور افسروں کا تقرر کیونکر کیا تھا۔ ہمارے اس مطالعہ سے یہ حقیقت اور بھی واضح اور منقح ہو گی کہ مذہبی اداروں نے سیاسی اداروں کی کس طرح تشکیل و تنظیم کی تھی۔

عام تاثر یہ ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دینی و تبلیغی مساعی پر سیاسی طاقت کے حصول کی کوششوں کو ترجیح دی جاتی رہی ہے۔ بعض مستشرقین نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مدینہ منورہ میں آپ نے دینی لبادہ اتار کر حاکم وقت اور سیاسی راہنما کا روپ دھار لیا تھا[3]۔ یہ دونوں عمومی اور خصوصی تاثر دراصل اسلام کے نظریۂ سیاست و دین اور ان دونوں کے درمیان باہمی ربط و ارتباط کو نہ سمجھنے کے سبب پیدا ہوئے ہیں۔ دراصل مدینہ میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے پیرو کار بنیادی طور پر دین اسلام کے داعی، مبلغ اور کارکن ہی تھے البتہ ان کی کارکردگی کی نوعیت بدل گئی تھی یا ان کے تبلیغ و ابلاغ کے ذرائع میں دوسرے عناصر کا اضافہ ہو گیا تھا۔ مدینہ منورہ میں مواخات و دستور مدینہ کے ذریعہ اسلامی معاشرہ اور ریاست کی تشکیل و تعمیر کا معاملہ ہو یا فوجی مہمات، فتوحات اور مفتوحہ علاقوں کے شہری نظم و نسق کا مرحلہ ہو سب ایک کا بنیادی مقصد دین کا قیام اور اسلام کا استحکام تھا اور تمام سیاسی، فوجی اور تنظیمی اقدامات کا محور و مرکز اعلائے کلمۃ اللہ کے سوا اور کچھ نہ تھا چنانچہ تمام سیاسی ادارے اور ان کے تمام کارکن اسلام کے مبلغ اور دین کے سپاہی تھے جو اپنے اپنے دائروں میں دینی خدمات انجام دیتے تھے۔

خالص دینی نقطۂ نظر سے اگر دیکھا جائے تو تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے فریضہ کو پیغمبر اسلام اور ان کے پیروؤں نے بڑی جاں نثاری اور وفاداری سے انجام دیا تھا۔ یہ ایک معلوم و مبرہن حقیقت ہے کہ مدینہ منورہ میں اسلام کو روشناس کرانے کا سہرا ذات اقدس نبوی کے سر بندھتا ہے۔ چنانچہ ہجرت سے قبل خزرج کے چھ اصحاب کا اسلام قبول کرنا آپ کی اس حکمت عملی کا نتیجہ ہے جس کو ہمارے سوانح نگار عام طور سے قبائل عرب کو دعوت اسلام کا نام دیتے ہیں[4]۔ ان خزرجی مسلمانوں نے مراجعت کے بعد اپنے شہر معظم یعنی مدینہ مبارکہ میں تبلیغ و اشاعت کا فریضہ انجام دیا جس کے نتیجہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معتد بہ لوگ مسلمان ہوئے اور ان میں سے بارہ نمائندے اگلے برس خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔[۵] اس بیعت عقبہ اولیٰ کے موقعہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدنی مسلمانوں کی درخواست پر ایک نبوی مبلغ مقرر فرمایا اور اس عظیم ذمہ داری کی انجام دہی کے لیے نگاہ رسالت نے حضرت مصعب بن عمیر عبدری کا انتخاب کیا۔ حضرت مصعب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے، مبلغ، معلم، مقری اور امام سبھی کچھ تھے۔ ان کی جان فشانی سے مدینہ منورہ کی بیشتر آبادی اسلام کے حلقہ میں آگئی اور اس تبلیغی کام میں حضرت مصعب کی امداد و معاونت مدینہ منورہ کے سرکردہ مبلغین و شیوخ بالخصوص حضرات اسعد بن زرارہ، سعد بن معاذ، سعد بن عبادہ اور اسید بن حضیر نے کی۔[۶]

کبار صحابہ اور سابقین اولین میں حضرت مصعب بن عمیر عبدری کا انتخاب ظاہر ہے کہ محض ان کی سبقت اسلام اور شخصی و خاندانی وجاہت کے سبب نہیں ہوا تھا۔ وہ یقیناً سابق صحابی تھے اور انھوں نے اسلام کے لئے بڑی قربانیاں دی تھیں لیکن ان سے کہیں زیادہ سبقت اور قربانی کا شرف رکھنے والے صحابہ موجود تھے۔ ان کا انتخاب محض اس بنا پر کیا گیا تھا کہ وہ مجموعی اعتبار سے اس منصب گرامی کے لئے موزوں ترین تھے۔ وہ پاسداران کعبہ کے خاندان کے ایک متمول خانوادہ کے فرد ہونے کے علاوہ اسلام کے وفادار و جاں نثار، ثابت قدم اور ٹھنڈے مزاج کے شخص تھے جو اسلام کا پیکر دلنواز ہونے کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ ان کی یہی مجموعی صفات حمیدہ تھیں جنھوں نے ایک مختصر عرصہ میں اسلام کے قدم مدینہ منورہ میں مضبوطی سے جما کر ہجرت کی راہ ہموار کر دی تھی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی بہ نفس نفیس دعوت کے اس کام میں پوری طرح لگے ہوئے تھے اور مختلف قبائل کے مسلمانوں سے بھی تبلیغ و اشاعت اسلام کا بھرپور اور پر از حکمت کام لے رہے تھے۔ چنانچہ مکہ مکرمہ کے دوران قیام میں مختلف قبائل عرب کے نومسلموں کو آپ ان کے اپنے علاقوں اور قبیلوں میں اس ہدایت کے ساتھ واپس بھیج دیتے تھے کہ جب اسلام کو قوت حاصل ہو جائے تو مرکز اسلام لوٹ آنا۔ یہ قبائلی نومسلم بلا واسطہ یا بالواسطہ آپ کے مقرر کردہ مبلغ تھے۔ چنانچہ حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، طفیل بن عمرو دوسیؓ، معتب ثقفی اور متعدد دوسرے صحابہ کرام نے اپنے اپنے علاقوں میں اسلام کی اشاعت اسی حیثیت میں کی تھی۔ ان میں سے بعض اپنی قوم کے سربرآوردہ لوگ تھے جبکہ سارے کے سارے اسلام کے پرجوش سپاہی تھے جو صحبت نبوی میں کندن بن گئے تھے اور ان کا اب مقصد حیات صرف اسلام کی سربلندی تھی۔

ہجرت مدینہ کے بعد انفرادی طور سے بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام کے فریضہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے رہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مدینہ منورہ میں بچے کھچے عرب کافروں کے قبائل اور علاقوں میں آپ برابر تبلیغ کے لیے جاتے رہے۔ مدینہ کے یہود کو دعوت دیتے رہے۔ اور بہت سے افراد نے آپ کی دعوت پر لبیک بھی کہا۔ مدینہ کی بیشتر آبادی کو مسلمان بنانے میں اگر حضرت مصعب بن عمیر عبدری اور ان کے پرجوش و باعمل اصحاب کا ہاتھ ہے تو اسے مرکزِ اسلام آپ کی ذات اقدس نے بنایا تھا۔[۵] پھر آپ نے اپنی تبلیغی مساعی کو محض شہر محترم کی چار دیواری تک محدود نہیں رکھا بلکہ نواحی قبائل میں بھی تبلیغ وارشاد کا کام کرتے رہے۔ بدقسمتی سے آپ کی ان مساعی کو جن میں تنظیم و اجتماعیت کا ذرا سا بھی عنصر تھا ہمارے مورخین نے غزوات و سرایا کا نام دے دیا اور اس سے زیادہ بڑی بدقسمتی یہ رہی کہ تبلیغی مساعی اور جنگی مہمات کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں کھینچی گئی جس کے سبب سے آپ کے تمام غزوات و سرایا کو محض جنگی مہمات اور فوجی اقدامات ہی سمجھا گیا۔ حالانکہ ان میں سے بیشتر محض تبلیغی دورے اور سیاسی مشن تھے۔ خاص طور سے بدر سے قبل کے تمام غزوات و سرایا کا مقصد اردگرد کے قبائل عرب کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کرنا تھا۔ بہرحال ان غزوات و سرایا میں بئرمعونہ رجیع اور ذات اطلاع کی مہموں کو کلیتاً مذہبی اور تبلیغی مہمات اسلام کے مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں صلح حدیبیہ، عمرۃ القضا اور حجۃ الوداع بھی غزوات میں شمار ہوتے ہیں ان کی نوعیت سراسر مذہبی تھی۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ سراسر فوجی و جنگی مہمات بھی تبلیغی رنگ سے خالی نہ تھیں۔ چنانچہ ہمارے تمام آخذ کا یہ متفقہ بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ و جدال سے قبل مخالف فریق کو اسلام کی دعوت دیتے تھے اور اگر کوئی فرد جنگ سے قبل، دوران یا بعد میں اسلام قبول کر لیتا تھا تو وہ اسلامی برادری کا مکمل رکن بن جاتا تھا[۶] یہی نہیں بلکہ آپ اپنے تمام سالاروں کو ہدایت کرتے تھے کہ وہ سب سے پہلے اسلام کی دعوت دیں۔ اور فریق مخالف کے قبول کر لینے کی صورت میں ہاتھ روک لینے کا حتمی اور لازمی حکم تھا۔ اس حقیقت کا صریح ذکر حضرات عبدالرحمٰن بن عوف، خالد بن ولید، علی بن ابی طالب اور اسامہ بن زید وغیرہ کی مہموں کے بیانات میں ملتا ہے۔ تاریخ کی گواہی ہے کہ ان مبلغ سالاروں نے قبیلے کے قبیلے حلقہ بگوش اسلام کر لئے تھے۔ چنانچہ دومۃ الجندل کے بنو کلب، ہمدان کے بنو حارث بن کعب، مذحج کے مختلف بطون اور بنو جذیمہ کے اشخاص کا اسلام انھیں سالاروں کا مرہون منت تھا۔[۷]

فتح مکہ کے بعد تبلیغ واشاعت اسلام کے دو ذرائع یا طریقے تھے ایک وفود کی شکل میں قبائل عرب کی خدمت نبوی میں حاضری اور دوسرے مقامی اور دور کے تبلیغی جماعتوں کی روانگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موخر الذکر میں سفیران نبوی، عاملین صدقات، ولاۃ نبوی اور عام عمال حکومت سبھی کارکنان حکومت شامل ہیں۔ ان مرکزی عمال کے علاوہ مقامی شیوخ اور کارکنوں کی تبلیغ نے بھی اسلام کی اشاعت میں بڑا اہم کردار ادا کیا تھا۔ سفراء، عمال اور ولاۃ کے نام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط و فرامین میں جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا گیا تھا وہ تبلیغ و اشاعت اسلام ہی کا فریضہ تھا باقی فرائض اس کے ماتحت تھے۔ چنانچہ حضرات معاذ بن جبل، عمرو بن العاص، علاء بن حضرمی، عمرو بن حزم، ابو موسیٰ اشعری، اور عباد بن بشر اوسی وغیرہ کے نام فرامین نبوی اس حکمت عملی کا ثبوت فراہم کرتے تھے۔ ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظامیہ کا ہر رکن دراصل اسلام کا کارکن تھا اور اس کا بنیادی کام اسلام کی اشاعت اور دین کا استحکام تھا۔ اس کے باقی فرائض منصبی اس فریضۂ عام کے ماتحت اور ثانوی نوعیت رکھتے تھے۔[۱۲]

محض اسلام کی تبلیغ سے نہ تو سرزمین عرب پر اسلامی ریاست کی توسیع و استحکام کا مقصد حاصل کیا جا سکتا تھا اور نہ اسلام و دین کے قیام و بقا کی ضمانت ہی مل سکتی تھی جب تک کہ نو مسلموں کے دلوں کی گہرائیوں میں اسلامی تعلیمات اور ان کے رگ و ریشے میں جذبہ ایمانی کوٹ کوٹ کر نہ بھر دیا جاتا۔ اسی بنا پر قرآن کریم کا حکم ہے کہ ہر طبقہ میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو دین میں تفقہ کا درجہ رکھتی ہو اور جو اپنے غیر فقیہہ اصحاب کو باخبر کر سکے۔ چنانچہ تعلیم و تدریس دین اور اصول اسلام کی تفہیم و تشریح دوسرا اہم کار نبوی تھا جس کی جانب ذات اقدس نے ابتدا ہی سے پوری توجہ دی۔ اس میدان میں سب سے اہم تو ذات گرامی رسول ہی تھی جو معلم اول اور مرجع کا درجہ رکھتی تھی۔ تمام اصحاب و جملہ مومنین اصول و فروعات دین کی تفہیم و تعلیم کے لیے آپ ہی سے رجوع کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ ایسے فقیہہ اور اصحاب علم تھے جو تعلیم و تدریس کے لیے نقشِ اول کے ہو بہو عکس بن کر ابھرے۔ ورنہ عمومی درجہ میں تو ہر مسلمان جو کچھ جانتا تھا وہ دوسروں کو سکھا دیتا تھا۔ ذکر آچکا ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر عبدری نہ صرف مبلغ نبوی تھے بلکہ وہ اہل مدینہ کے لیے معلم و مقری بھی تھے وہ لوگوں کو قرآن پڑھاتے اور احکام دین بھی سکھاتے تھے۔ ان کے دوسرے اصحاب میں حضرت اسعد بن زرارہ بھی تعلیم و تدریس کا فریضہ انجام دیتے تھے۔[۱۳] ان عمومی معلمین کے علاوہ نومسلموں کے لیے خصوصی طور سے جہاندیدہ اور تجربہ کار معلمین کا تقرر کیا جاتا تھا چنانچہ صحیح بخاری کے مطابق حضرت ابن ام مکتوم کو معلم قرآن مقرر کیا گیا تھا اور انھوں نے حضرت براء بن عازب جیسے متعدد صحابہ کو قرآن کی تعلیم دی تھی۔ سنن ابی داؤد کی روایت ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت انصاری اپنے گھر میں اصحاب صفہ کو قرآن حکیم اور کتابت کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر دیا کرتے تھے۔ یہ اصحاب صفہ خود ذات نبوی سے بھی برابر متمتع ہوا کرتے تھے امام ابن حنبل نے حضرت انس بن مالک کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے کہ اصحاب صفہ میں سے ستر اشخاص مدینہ منورہ کے ایک معلم کے گھر رات میں پڑھنے جایا کرتے تھے اور وہاں رات بھر تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ اگرچہ اس روایت میں معلم گرامی کے نام کا ذکر نہیں لیکن اس سے حضرت عبادہ بن صامت بھی مراد ہو سکتے ہیں اور دوسرے صحابی بھی[15]

یہ دل چسپ حقیقت ہے کہ اصحاب صفہ کے یہ طلبہ انھیں مدنی مراکز علم و دانش سے فیضیاب ہو کر ایک دن پھر خود ہی مسند ارشاد پر فائز ہوئے۔ چنانچہ روایات میں صراحت آتی ہے کہ تقریباً اسّی معلمین و مبلغین جنھوں نے بئر معونہ اور واقعہ رجیع کے المیوں میں شہادت پائی اسی مدرسہ علم اور دانشکدۂ نبوی کے فراغت یافتہ تھے۔ حضرت ابوہریرہ دوسی جو کثرت روایات میں سب سے زیادہ امتیاز رکھتے ہیں اسی طبقہ علماء و معلمین کے پروردہ تھے۔ بعد کے زمانہ میں صفہ کے فراغت یافتہ معلمین نے اسلامی علم و دانش کی مشعلیں متعدد مقامات میں روشن کیں اور اطراف ممالک میں ان کے سبب علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت ہوئی۔[16]

اصحاب صفہ کے علاوہ کچھ ایسے اساتذہ و معلمین کا ذکر روایات میں ملتا ہے جن کے بارے میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ ان سے علم حاصل کرنا اسلامی مہارت و تبحر علمی حاصل کرنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو چار اہل علماء حضرات عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، ابی بن کعب اور معاذ بن جبل سے قرآن حکیم سیکھنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اصابہ کے مطابق ذات نبوی نے بذات خود حضرت وردان کو جو ایک نومسلم تھے حضرت ابان بن سعید اموی کے حوالہ برائے تعلیم دین کیا تھا۔ کنز العمال کی ایک روایت کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ثعلبہ خشنی کو حضرت ابو عبیدہ بن جراح فہری کے دامن تربیت و تعلیم میں یہ کہہ کر دیا تھا کہ "میں نے تم کو ایک ایسے شخص کے حوالہ کیا ہے جو تم کو اچھی تربیت دے گا اور عمدہ ادب سکھائے گا۔" قریش کے بنو امیہ کے خاندان سعیدی کے ایک ممتاز فرد حضرت عبداللہ (حکم) بن سعید اموی اسلام لائے تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ منورہ کے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے معلم مقرر کر دیا۔[17] محمد بن حبیب بغدادی نے جُمّاع القرآن کے عنوان سے ایک فصل میں چھ صحابہ کرام کے نام گنائے جو جامع قرآن کے ساتھ ساتھ معلم قرآن بھی تھے۔ ان میں حضرات ابی بن کعب اور معاذ بن جبل کے علاوہ حضرات سعد بن عبید اوسی، ابوالدرداء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خزرجی، ثابت بن زید خزرجی اور زید بن ثابت خزرجی کے اسماء گرامی شامل ہیں۔ ابن سعد نے ان پر حضرت قیس بن سکن خزرجی کے نام کا بھی اضافہ کیا ہے[۱۵]۔ ان روایات کے باب میں یہ امر ذہن نشین رہنا ضروری ہے کہ مذکورہ بالا حضرات ہی قرآن کریم کے جامع اور حفاظ نہیں تھے بلکہ بہت سے اور اصحاب بھی تھے جن کے اسماء گرامی تک ہمارے راویوں کی پہونچ نہیں ہو سکی۔ اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے کہ ان روایات میں بعض ان اکابر صحابہ کا نام مذکور نہیں ہے جن کے بارے میں خود زبانِ رسالت نے شہادت دی تھی اور جن کو معلمین مدینہ مقرر کرنے کی ہدایت دی تھی۔ چنانچہ تمام بزرگ صحابہ کرام جیسے خلفاء راشدین بشمول حضرت معاویہ عشرہ مبشرہ اور متعدد دوسرے اکابر کو تعلیم و ارشاد کا منبع سمجھنا چاہیئے۔ اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کا فریضہ صرف مرد صحابہ کرام نے ہی نہیں انجام دیا تھا بلکہ ان کے شانہ بشانہ متعدد صحابیات نے بھی تعلیم و تدریس کے حلقے قائم رکھے ہوئے تھے جن سے ریاست اسلامی کی خواتین کا طبقہ فیضیاب ہوتا تھا۔ اور ان میں سے بعض تو معلمین اسلام کے اعلیٰ طبقہ میں شامل تھیں۔ ان میں حضرت عائشہ صدیقہ بالخصوص اور دوسری ازواج مطہرات بالعموم شامل کی جانی چاہئیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت ام ورقہ بنت عبداللہ بن حارث انصاری حافظ قرآن تھیں، اور ان کا فیض عام سب کے لیے تھا۔ احادیث نبویہ اور مسائل اسلامی کی راوی تمام صحابیات اپنے اپنے حلقہ میں تعلیم و تدریس کے فرائض براہ راست یا بالواسطہ انجام دیتی تھیں[۱۹]۔

مدینہ منورہ ریاست اسلامی کا قلب ہونے کے ساتھ ساتھ مرکز علم و عرفان اور مدرسہ تعلیم و ارشاد بھی تھا۔ ظاہر ہے کہ عالم عرب کے مسلمانوں کی خواہش و آرزو تھی کہ وہ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر سرچشمہ نبوی سے فیضیاب ہوں چنانچہ تفسیر خازن کے مطابق مسلم عرب قبائل کا ایک نمائندہ گروہ مدینہ حاضر ہو کر ایک مختصر مدت میں تفقہ فی الدین حاصل کرتا اور بعد میں جب یہ طبقہ علماء اپنے اپنے علاقوں کو مراجعت کرتا تو اپنے لوگوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری اس کے شانوں پر ہوتی۔ چنانچہ بخاری کی روایت ہے کہ حضرت مالک بن حویرث اپنی قوم کے وفد کے ساتھ مدینہ آئے اور بیس دن تک وہ اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ واپسی پر رسول کریم نے ان کو اپنی قوم کا معلم و مربی مقرر فرمایا۔ اسی طرح قبیلہ عبدالقیس کے نمائندہ حضرت عمرو بن عبد قیس نے جو تعلیم و تربیت جناب نبوی میں حاصل کی تھی اس کو اپنے لوگوں میں شائع کیا[۲۰]۔ وفود عرب تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ تعلیم و ارشاد کے فریضہ کو بھی ادا کرنے پر مامور تھے۔ بیعت عربیت اور بیعت ہجرت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرق و امتیاز روا رکھا تھا اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ اول قسم کی ہجرت کرنے والوں کے لیے مختصر مدتی تعلیمی نصاب ہو تاکہ وہ اس سے آراستہ و پیراستہ ہو کر اپنی قوم و علاقہ کے لیے داعی و معلم بنیں اور دوم قسم کی بیعت کرنے والے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تو مدینہ کے مرکز علم و عرفان سے تازندگی فیضیاب ہوتے رہتے تھے۔[۲۰] وہ لوگ جو کسی سبب سے مدینہ نہیں آسکتے تھے ان قبائلی معلمین سے علوم سیکھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن سلمہ نے اپنے بچپن میں گزرنے والے قافلوں سے سن سن کر قرآن سیکھا تھا۔ اسی طرح بنو حنیفہ کے ایک نومسلم نے اپنے قبیلہ میں دعوت وارشاد اور تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دیا تھا۔[۲۱]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فتوحات اور غزوات و سرایا کے مواقع کو بھی تعلیم و تربیت کے لئے برابر استعمال کیا کرتے تھے چنانچہ غیر مسلموں کو تبلیغ دین اور مسلمان ہوجانے والوں کی تعلیم و تربیت کے متعدد واقعات ملتے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد نومسلمانان مکہ کے لئے آپ نے بطور خاص حضرات معاذ بن جبل خزرجی اور ابوموسیٰ اشعری کو معلم و مدرس مقرر کیا تھا اور انھوں نے کافی مدت تک وہاں مسند تعلیم و ارشاد بچھائے رکھی تھی۔ طائف کے محاصرے کے دوران ثقیف کے جن غلاموں نے دامان رسالت میں پناہ لی تھی ان کی تعلیم و تربیت کے لیے جن صحابۂ کرام کا آپ نے انتخاب فرمایا تھا ان میں خاندان سعیدی کے تین ممتاز افراد حضرات خالد بن سعید اموی، عمرو بن سعید اموی اور ابان بن سعید اموی کے علاوہ بنو امیہ کے ممتاز فرد حضرت عثمان بن عفان اور حضرت سعد عبادہ خزرجی اور حضرت اسید بن حضیر اوسی شامل تھے۔[۲۲] دانش کدہ نبوی کے یہ وہ معلمین ہیں جو اپنی فضیلت علم اور سعادت صحبت کے سبب کافی مشہور اور معروف تھے ورنہ روایات کا اگر استقصا کیا جائے تو ایسے متعدد معلمین کرام کا ذکر ملے گا جو اپنے لوگوں اور قوم کو علم و عمل کا درس دیتے اور ان کے ایمان و اسلام کو محکم بناتے تھے۔

عام داعیوں اور معلموں کے علاوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی طور پر اس پہلو پر بھی توجہ فرمائی تھی کہ مسلمانان مدینہ میں بالخصوص اور دوسرے علاقوں میں بالعموم ایسے افراد بھی تیار کئے جائیں جو اسلامی علوم میں گہری بصیرت رکھتے ہوں اور وقت ضرورت سجادہ نبوی کی جانشینی اور مسلمانانِ عالم کی رہبری کے فرائض سے بھی عہدہ برآ ہوسکیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام کی آفاقیت بھی اس کا تقاضا کرتی تھی کہ اصحاب رسول میں ایسے اشخاص بھی ہوں جو کار نبوی کو بخوبی اور ہمہ جہتی کے ساتھ انجام دینے کی صلاحیت رکھتے ہوں اس مقصد سے آپ نے اپنے بعض اصحاب کی نہ صرف نظریاتی لحاظ سے تربیت کی تھی بلکہ ان کو باقاعدہ عملی تربیت کے ذریعہ بھی سیادت و امامت کے لائق بنایا تھا۔ حضرت معاذ بن جبل خزرجی کی وہ مشہور حدیث اس حقیقت کو ثابت کرتی ہے جس کے مطابق صحابی موصوف نے قرآن حکیم اور سنت نبوی کے بعد اپنی ذاتی رائے پر عمل کرنے کی بصیرت کا مظاہرہ کر کے بارگاہ نبوی سے تحسین و تعریف حاصل کی تھی۔ صحابی موصوف کی یہ اجتہادی صلاحیت تربیت نبوی کی دین تھی اور سیادت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وامامت کی تیاری کے مقصد کے لئے نگاہ خاص سے پیدا ہوئی تھی۔ اور حضرت معاذ بن جبل خزرجی تنہا اس تربیت وفیضان کے علمبردار نہ تھے بلکہ تمام اکابر صحابہ بالخصوص تمام والیان نبوی اور عمال حکومت اس صلاحیت سے حصہ وافر رکھتے تھے کہ وقت ضرورت وہ قرآن حکیم اور سنت نبوی کی روشنی میں نئے مسائل اور تقاضوں سے عہدہ برآ ہو سکیں اور عام مسلمانوں کی مذہبی اور دینی قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں چنانچہ کتب فقہ واحادیث میں "آثار صحابہ" اور "تعامل صحابہ" کو سنت رسول کا درجہ دیا گیا ہے اور مراسیل صحابہ مستند گردانی گئی ہیں اور ان کا ماخذ ومنبع ذات نبوی کو قرار دیا گیا ہے کیوں کہ صحابہ کرام سنت نبوی اور قرآن کریم سے سرمو انحراف نہیں کر سکتے تھے۔[۲۴]

ہمارے متعدد سیرت وتاریخ نگاروں نے "مفتیان نبوی" کے نام سے اپنی تصانیف میں علیحدہ فصلیں قائم کی ہیں جن میں ان صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جو "اصحاب فتاوی" اور "ماہرین اجتہاد" تھے۔ ابن سعد نے اپنی مختلف روایات میں آٹھ ایسے صحابہ کرام کا ذکر کیا ہے جو عہد نبوی میں فتوے دیتے اور دینی فیصلے صادر کرتے تھے۔ ان میں چاروں پہلے خلفاء کے علاوہ حضرات عبدالرحمٰن بن عوف زہری، معاذ بن جبل خزرجی، ابی بن کعب خزرجی اور زید بن ثابت خزرجی شامل تھے۔ ابن جوزی نے عہد نبوی کے مفتیان گرامی کی تعداد تیرہ بتائی ہے اور مذکورہ بالا صحابہ کرام کے علاوہ حضرات عبداللہ بن مسعود، حذیفہ بن یمان، ابوالدرداء، ابوموسیٰ اشعری اور سلمان فارسی کے اسمائے گرامی کا اضافہ کیا ہے۔ ایک اور ماخذ کے مطابق کم از کم چودہ پندرہ صحابہ فتویٰ دینے کے مجاز تھے۔ ان میں نئے اسماء گرامی حضرات عبداللہ بن عباس، ابوہریرہ، انس بن مالک اور حضرت عائشہ صدیقہ کے ہیں جبکہ ایک اور روایت میں مشہور صحابی حضرت عمار بن یاسر کو بھی انھیں اہل علم میں شمار کیا گیا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے عہد نبوی کے مفتیان عظام کی جو فہرست دی ہے اس میں پچیس صحابہ کرام کے نام مذکور ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ ان اہل فتاویٰ میں سے متعدد فتاوی کو متعدد ضخیم جلدوں میں مدون کیا جا سکتا ہے۔ اس فہرست میں جن نئے صحابہ کرام کے اسماء گرامی آئے ہیں ان میں حضرات عبداللہ بن عمر، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمرو بن عاص، جابر بن عبداللہ، ابوسعید خدری، زبیر بن عوام، عمران بن حصین، ابوبکرہ، عبادہ بن صامت، معاویہ بن ابی سفیان، عبداللہ بن زبیر اور زوجہ مطہرہ ام المومنین حضرت ام سلمہ شامل ہیں۔ ایک روایت کے مطابق عہد نبوی کے مفتیوں کی تعداد ایک سو بیس سے متجاوز تھی۔[۲۵] یہ تمام روایات نہ صرف قرین قیاس ہیں بلکہ کلی طور سے صحیح وثابت ہیں۔ البتہ یہ بات واضح کرنے کے لائق ہے کہ ان فہرستوں میں بعض نوعمر صحابہ کرام کے نام بھی شامل ہیں جو عہد نبوی میں اس کار عظیم کے لائق نہ تھے مثلاً حضرات عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ۔ سوانح نگاروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے ان بزرگوں کے اسماء گرامی کا اضافہ محض اس بنا پر کیا ہے کہ وہ صحابی تھے اور اپنے زمانے میں "افتا" اور "قضا" کے اہل ہی نہیں بلکہ مرجع تھے۔ اس پہلو سے انھیں دوسرے عام صحابہ پر فوقیت حاصل تھی۔ مفتیان نبوی کی جو مختلف روایات ہم تک پہونچی ہیں وہ ایک دوسرے کے منافی و متصادم نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کی مؤید و مصدق ہیں ان میں اسماء گرامی کا اختلاف دراصل ان کے راویوں کے اختلاف علم و معلومات کا نتیجہ ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمام اکابر صحابہ کرام جو اہل علم تھے اور کافی مدت تک صحبت نبوی سے فیضیاب ہوئے تھے افتاء کے اہل تھے اور حقیقتاً فتاویٰ دیتے تھے چنانچہ مختلف ممالک اسلامیہ میں صحابہ کرام نے جو دینی خدمات انجام دی ہیں، ان سے اس امر کی بخوبی تصدیق ہوتی ہے۔

نماز اسلام کا سب سے بڑا رکن ہونے کے سبب اس کے قیام کو اسلام کی نشانی اور کفر و اسلام کے درمیان حد فاصل قرار دیا گیا ہے۔ نظریاتی لحاظ سے ہر پڑھا لکھا مسلمان امامت کے لائق ہے اور عہد نبوی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں امامت آپ کا حق تھا لیکن وقت ضرورت دوسرے ائمہ نماز کا تقرر کیا جاتا تھا۔ مکی دور حیات میں امامت کی زیادہ تر مثالوں کا تعلق آپ ہی کی ذات گرامی سے ہے لیکن مکہ سے باہر بسنے والے مسلمانوں کی اس دینی قیادت کا فریضہ مقامی مسلمان انجام دیتے تھے۔ مثال کے طور پر قبیلہ عبد القیس کے بارے میں آتا ہے کہ انھوں نے مسجد قباء کے بعد پہلی مسجد قائم کر کے وہاں نماز باجماعت ادا کی تھی۔ ظاہر ہے کہ نماز کی فرضیت کے بعد پنجگانہ نمازوں میں امامت کا معاملہ انھیں خطوط پر طے کیا گیا تھا۔ مدینہ منورہ میں ابتداءً مدینہ کے نقیب النقباء حضرت اسعد بن زرارہؓ امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد حضرت مصعبؓ بن عمیر عبدری ان کی جگہ امام مدینہ بن گئے تھے اور ان کی تقرری رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی نقیب النقباء کی حیثیت سے حضرت اسعد بن زرارہؓ کی تقرری بھی منجانب بارگاہ رسالت تھی۔ حضرت مصعبؓ کی غیر حاضری میں حضرت اسعد نے پھر ان کی نیابت کی۔ اسد الغابہ کی روایت ہے کہ اسلام کی پہلی باقاعدہ مسجد قباء میں حضرت حنظلہؓ بن ابی حنظلہ امام نماز تھے۔ بخاری، ابو داؤد، ابن اسحاق اور ابن ہشام وغیرہ کی متعدد روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت سے قبل مسلمانان مدینہ کے کم از کم دو امام تھے: انصار کی امامت حضرت مصعبؓ بن عمیر عبدری کرتے تھے اور حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ مہاجرین کی امامت کرتے تھے۔ یہ تقسیم ملت اس معنی میں نہیں لی جاتی چاہئے کہ یہ دونوں مسلم طبقے ایک دوسرے سے کلیتاً الگ الگ تھے حتیٰ کہ نمازوں میں بھی ان کا اتحاد و اجتماع ممکن نہ تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ تقسیم کثرت و قلت کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ مدینہ منورہ کی ان دونوں مسجدوں کے علاوہ مسجد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قبا کا امام الگ ہوتا تھا۔ اس طرح شہر اور اس کے نواح میں تین مساجد تھیں جن کے تین الگ الگ امام تھے۔[۲۶]

ہجرت نبوی کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر سے قبل اور بعد بھی مدینہ منورہ کے امام الائمہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تھی۔ عام طور پر یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ مدینہ منورہ میں صرف یہی ایک مسجد تھی حالانکہ ابتدا ہی سے شہر رسول میں متعدد مساجد تھیں جیسا کہ اوپر کی تفصیلات سے ان کی شہادت ملتی ہے۔

پھر اسلام کی اشاعت، مسلمانوں کی کثرت اور اسلامی ریاست کے اثر و نفوذ اور توسیع کے ساتھ ساتھ جزیرہ نمائے عرب کے سینے پر مساجد ابھرتی گئیں اور ان میں امام مقرر ہوتے گئے۔ چنانچہ تاریخ و سیر کی روایات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ عرب کے تقریباً تمام قبیلوں اور خاندانوں میں ایک سے زیادہ مسجدیں تھیں۔ مسجدوں کی تعداد دراصل آبادی اور جغرافیائی حدود پر مبنی تھی۔ صحیح بخاری کی روایات خود مدینہ منورہ میں متعدد مساجد کی موجودگی کا پتہ دیتی ہیں جہاں پابندی کے ساتھ نماز قائم کی جاتی تھی چنانچہ مسجد نبوی اور مسجد قبا کے علاوہ انصار کے دو خاندانوں بنو زریق اور بنو عمرو بن عوف کی جانب منسوب دو اور مسجدوں کا سراغ ملتا ہے۔ دو مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عتبان بن مالک انصاری اپنے خاندان بنی سالم / خزرج کے امام تھے اور اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھاتے تھے۔ نابینا ہونے کے بعد انھوں نے اپنے گھر میں مسجد بنالی تھی۔ انصار کے ایک اور خاندان بنو خطمہ کی ایک مسجد تھی جس کے امام حضرت عبداللہ بن عمیر خطمی تھے۔ حضرت معاذ بن جبل کے بارے میں کتب احادیث و سیر میں روایت ملتی ہے کہ وہ اپنی قوم بنو جشم کے امام تھے اور لوگوں کو نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ابو داؤد کی روایت ہے کہ اوس کے ممتاز خاندان بنو عبد الاشہل کے سردار حضرت اسید بن حضیر اپنی خاندانی مسجد میں امام تھے۔ محدث ابو داؤد ہی نے اپنی کتاب المراسیل (سنن کے ایک باب) میں مدینہ کی کم از کم نو مساجد کا حوالہ دیا ہے۔ یہ تمام مسجدیں مختلف انصاری اور بدوی قبیلوں اور خاندانوں کے نام سے منسوب تھیں چنانچہ بنو عمرو، بنو ساعدہ، بنو عبید، بنو سلمہ، بنو ریاح، بنو زریق، بنو غفار، بنو اسلم اور بنو اسلم کی مساجد کا ذکر ملتا ہے۔ موخر الذکر کا حوالہ ابن سعد میں بھی ہے۔[۲۷]

صحیح بخاری کی شرح عینی میں ایک بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا مساجد کے علاوہ شہر رسول اور اس کا نواح میں کم و بیش بائیس[۲۸] اور مساجد تھیں جہاں پابندی سے باجماعت نمازیں ہوتی تھیں اور ان کے اپنے اپنے امام تھے۔ ان کے نام حسب ذیل ہیں:۔

مسجد بنی حذرہ، مسجد بنی امیہ، مسجد بنی بیاضہ، مسجد بنی حبلی، مسجد بنی عصیہ، مسجد بنی ابی فیصلہ، مسجد بنی دینار، مسجد ابی بن کعب، مسجد نابغہ، مسجد ابن عدی، مسجد بنی الحارث (خزرج)، مسجد بنی خطمہ، مسجد الفضیخ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسجد بنی حارثہ، مسجد بنی ظفر، مسجد بنی عبد الاشہل، مسجد وقیم، مسجد بنی معاویہ، مسجد عاتکہ، مسجد بنی قریظہ، مسجد بنی وائل اور مسجد الشجرہ۔[۲۸]

یہ تمام مساجد یا تو قبائل اور ان کے خاندانوں کی طرف منسوب ہیں یا مقامات کی۔ ان میں مسجد بنی قریظہ کی بڑی تاریخی اہمیت ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ عرفات اور برکات احمد کی یہ تحقیق صحیح ہے کہ بنو قریظہ کے بیشتر افراد کو قتل نہیں کیا گیا تھا بلکہ صرف ان کے شوریدہ سر سرداروں کی سرکوبی کی گئی تھی۔ بہر حال یہ ایک اہم بحث ہے۔ اس پر ہم نے گفتگو ایک دوسری جگہ کی ہے۔[۲۹]

مرکز اسلام کے علاوہ جہاں جہاں مسلمان بستے تھے وہاں وہاں مساجد تھیں۔ ذکر آچکا ہے کہ بحرین کے قبیلہ عبد القیس کی ایک مسجد تھی جو جواثی نامی گاؤں میں تھی۔ بحرین میں اس کے علاوہ دوسری اور مساجد بھی تھیں کیونکہ جواثی کی یہ مسجد ہجرت سے قبل اور بحرین کے اسلامی مملکت میں شامل ہونے سے پہلے قائم ہوئی تھی۔ خانہ کعبہ اور مسجد حرام مکہ مکرمہ کی اہم ترین مسجد تھی جس کے امام حضرت عتاب بن اسید اموی گورنر شہر تھے۔ اسی طرح ثقیف کے گورنر حضرت عثمان بن ابو العاص اپنی قوم کی مسجد کے امام تھے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ عموماً گورنر/والی اپنے علاقہ کی مرکزی مسجد کا امام بھی ہوتا تھا لیکن کبھی کبھی امام نماز کوئی دوسرا شخص مقرر کیا جاتا تھا چنانچہ حضرت عمرو بن عاص سہمی کو جب عمان کا گورنر مقرر کیا گیا تو حضرت ابو زید انصاری ان کے ساتھ بطور امام نماز کے لئے گئے تھے۔ روایات کے تجزیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خصوصی انتظام تھا جو خاص وجوہ سے کیا گیا تھا ورنہ عام طور سے گورنر حضرات ہی یہ مذہبی فریضہ بھی ادا کرتے تھے۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنو کعب بن اوس کے سردار حضرت شداد بن ثمامہ کو اپنی قوم کا امام مقرر کیا گیا تھا۔ واقدی کا بیان ہے کہ کثیر آبادی والے عرب قبائل و بطون نے اپنے اپنے علاقوں میں متعدد مساجد بنا لی تھیں چنانچہ بنو جذیمہ اور بنو مصطلق کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ انھوں نے اپنے میدانوں (ساحاتہم) میں متعدد مسجدیں قائم کر رکھی تھیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی مسجدیں پورے جزیرہ نمائے عرب میں ہر طرف موجود ہوں گی ان تمام کا استقصاء ممکن نہیں۔[۳۰]

بعض مخصوص حالات میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں دوسرا کوئی صحابی بھی امامت کر سکتا تھا چنانچہ ایک خاص موقعہ پر حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ نے امامت کی تھی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امامت میں نماز ادا کی تھی۔ مورخین کا بیان ہے کہ اسی موقعہ یعنی غزوہ تبوک کے دوران چونکہ مسلمانوں کی تعداد تیس ہزار سے متجاوز تھی اس لیے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا اور ایک حصہ کی امامت رسول اکرم فرماتے تھے اور دوسرے کی حضرت ابو بکر صدیقؓ۔ اسی طرح غزوات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وسرایا کے دوران سالار لشکر امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے اور غزوہ ذات السلاسل میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح جیسے سابق و گرامی صحابی کی موجودگی میں سالار لشکر حضرت عمرو بن عاص سہمی نے امامت کی تھی۔ اور یہ تو بہت مشہور واقعہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں حضرت ابوبکر صدیق کو اپنی جگہ امام مسجد نبوی مقرر فرمایا تھا اور اس حیثیت سے صحابی موصوف نے عہد نبوی کی آخری سترہ نمازوں کی مسلسل امامت کی تھی۔[۴۱]

نماز کی ایک ابتدائی شرط اذان ہے اور ہجرت کے بعد اذان کے آغاز کے بعد یہ منصب مستقل طور سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن رباح حبشی کو عطا کر دیا تھا اور وہ مستقل موذن مسجد نبوی تھے بلکہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے موذن تھے چنانچہ تمام غزوات نبوی میں یہ منصب حضرت حبشی ہی کے پاس رہا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین موذن تھے: حضرات بلال حبشیؓ، ابو محذورہ اوس بن معیر جمحی، اور عمرو بن ام مکتوم عامری۔ موخر الذکر رمضان میں اذان فجر دیتے تھے جبکہ حضرت بلال اذان سحر۔ حضرت ابو محذورہ مسجد حرام کے موذن تھے اور تاحیات اس عہدہ پر فائز رہے۔ اسد الغابہ کے مطابق حضرت سعد بن عائذ جو سعد القرظ کے نام سے زیادہ معروف ہیں مسجد قبا کے موذن تھے اسی ماخذ کا بیان ہے کہ رسول اکرمؐ کے ایک اور مؤذن حضرت عبدالعزیز بن اصم تھے جنہوں نے ایک اور روایت کے مطابق صرف ایک بار اذان دی تھی۔ حضرت عثمان بن عفانؓ منبر نبوی کے پاس اذان دیا کرتے تھے۔ جبکہ حضرات زید بن حارث الصدائی اور ثوبان مولائے رسول کریم آپ کے دو اور موذن تھے۔ اسد الغابہ کی روایت واحد سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس حضرت سفیان بن قیس کندی کو اپنی قوم کندہ کا موذن مقرر فرمایا تھا۔ اس روایت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ لبسا اوقات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بدوی قبائل کے لیے موذنین کا بھی تقرر کرتے تھے خواہ یہ تقرری براہ راست ہوتی ہو یا بالواسطہ بہر صورت وہ عہد نبوی کے مذہبی نظام کا ایک حصہ تھا اور اس میں اجازت نبوی یا حکم نبوی کا دخل ضرور ہوتا تھا۔[۴۲]

نماز کے علاوہ زکوٰۃ وغیرہ مالی نظام کے افسران تھے جن پر بحث ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ایک اور مذہبی شعبہ جہاں تنظیم اور عمال کی ضرورت پیش آتی ہے وہ حج ہے چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امور حج کی باقاعدہ تنظیم کی تھی۔ اگرچہ فتح مکہ آپ کی وفات سے تقریباً ڈھائی سال قبل ہوا تھا اور عہد نبوی میں تین حج کے مواسم آئے لیکن آپ نے صرف ایک حج کیا جس کو حجۃ الوداع یا حجۃ الاسلام کہا جاتا ہے۔ اور اس حج کی امارت ظاہر ہے کہ آپ نے بنفس نفیس فرمائی تھی لیکن اس آخری حج سے قبل دو اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حج ہوئے تھے جن کی امارت بالترتیب حضرت عتاب بن اسید اموی گورنر مکہ اور حضرت ابوبکر صدیق نائب نائب رسول نے کی تھی۔ ۸ھ/۶۳۰ء اولین اسلامی حج کے بارے میں روایات کا اختلاف ہے کہ آیا اس میں حضرت عتاب اموی کو باقاعدہ امیر حج مقرر کیا گیا تھا یا نہیں لیکن حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں روایات کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ ان کو بارگاہ رسالت سے باقاعدہ اس منصب پر فائز کرکے بھیجا گیا تھا۔ حجۃ الوداع کے موقع پر کثیر اجتماع کے سبب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہونچانے کے لیے مختلف منادی مقرر کئے گئے تھے جن میں حضرت ربیعہ بن امیہ اور حضرت جریر بن عبداللہ بجلی نمایاں بزرگ تھے بعض دوسرے مواقع پر اسی قسم کے افسر مقرر کئے گئے تھے ان میں حضرت اوس بن حدثان کا ذکر ملتا ہے جن کو ایک مذہبی اعلان کرنے کی خاطر ۹ھ کے حج ابی بکر میں روانہ کیا گیا تھا جس طرح حضرت علی کو اسی موقعہ پر سورہ برأت کی آیات کے اعلان کے لئے مدینہ سے بطور خاص بھیجا گیا تھا۔[۴۳]

حج کا ایک اہم رکن قربانی ہے اور قربانی کے جانوروں کو اصطلاحًا ہدی کہا جاتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ اور حج دونوں کے لیے ہدی روانہ کرتے تھے اور ان کی نگرانی کے لیے ایک افسر مقرر کرتے تھے جو صاحب الہدی کہلاتا تھا۔ چنانچہ آپ کے مستقل صاحب الہدی حضرت ناجیہ بن جندب اسلمی تھے جو صلح حدیبیہ سے حجۃ الوداع تک مسلسل کئی مواقع پر یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔ بخاری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک بار حضرت علی نے بھی یہ فریضہ انجام دیا تھا حضرات ذویب بن طلحہ خزاعی، عمرو بن شمالی ہوازنی اور خالد بن سیار غفاری کو بھی مختلف روایات میں صاحب الہدی کہا گیا ہے ممکن ہے کہ بعض دوسرے حضرات نے بھی یہ خدمت انجام دی ہو۔[۴۴]

تنظیم امور حج میں ایک اہم کام حدود حرم کی تعیین بھی تھی۔ اور اس فرض کی انجام دہی کے لئے آپ نے حضرت تمیم بن اسید خزاعی کو مقرر کیا تھا۔ مکی اشرافیہ کے تمام عہدے اور مناصب اسلامی فتح مکہ کے ساتھ ختم ہو گئے تھے سوائے سقایہ اور حجابہ کے۔ اور ان دونوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے قدیم خاندانوں میں برقرار رکھا تھا چنانچہ حجاج کی ساقی گری (سقایہ) کا منصب حضرت عباس بن عبدالمطلب ہاشمی اور حجابہ (تولیت کعبہ) کا منصب حضرت عثمان بن طلحہ عبدری کو حسب دستور قدیم عطا فرمایا تھا۔ باقی مناصب یا تو ختم کر دئے گئے تھے یا ان کی سربراہی اسلامی ریاست کے سربراہ اعلیٰ کے ہاتھ میں چلی گئی تھی۔[۴۵]

مذہبی امور کی تنظیم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفقہ فی الدین اور دین میں مہارت اور تقویٰ کو سب سے زیادہ اہمیت دی تھی چنانچہ حضرت عتاب بن اسید اموی اور حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عثمان بن ابی العاص ثقفی کی تقرری کے ضمن میں ان اسباب تقرری کا واضح ذکر ملتا ہے۔ دعوت اور دعاۃ کے ضمن میں بھی انھیں عوامل کی کارفرمائی نظر آتی ہے لیکن وہاں ان کے ساتھ ساتھ علاقائی نسبت اور جغرافیائی معلومات کو بھی دخل حاصل تھا اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں عوامل دینی مہارت کے ضمن میں ہی شمار ہونے چاہئیے یہ اسباب مجموعی طور سے ہر معاملہ میں کارفرما نہیں ہوتے تھے بلکہ حالات کے تحت ان کی رعایت ملحوظ رکھی جاتی تھی اور اسی لحاظ سے ان کو ترجیح حاصل ہوتی تھی۔ بئر معونہ اور واقعہ رجیع کے مبلغین اور معلمین کے معاملہ میں سوائے تفقہ فی الدین اور تقویٰ کے اور کوئی عنصر نظر نہیں آتا ظاہر ہے کہ ان شہداء سے بھی زیادہ قابل، متقی اور عالم حضرات موجود تھے مگر حالات کے لحاظ سے انھیں کی تقرری بہتر سمجھی گئی۔ یہی صورت حال معلمین کی تقرری میں نظر آتی ہے، خاص کر مکہ مکرمہ کے معاملہ میں جہاں حضرات معاذ بن جبل خزرجی اور ابو موسیٰ اشعری کو مقرر کیا گیا تھا۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ بن عمیر بطور معلم مدینہ منورہ مقرر کئے گئے تھے اور انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب کو اپنے کارنامے سے حق بجانب ثابت کر دیا تھا حالانکہ وہ نہ سب سے افضل تھے اور نہ سب سے زیادہ سابق اول۔ ائمہ اور موذنین کے باب میں تو کسی حد تک اور وہ بھی قبائلی مساجد میں قبائلی نسبت کا احترام کیا گیا تھا ورنہ دوسرے تمام امور مذہبی میں تقرری خالصتاً صلاحیت ولیاقت کی بنا پر کی گئی تھی معلمین کے باب میں یہ ہم بھی دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بعض نومسلموں کو ان کے قبول اسلام کے فوراً بعد مقرر کیا گیا تھا اور ظاہر ہے کہ ان کی تعلیمی مہارت اور علمی لیاقت کے سبب یہ تقرری کی گئی تھی جیسا کہ عبداللہ بن سعید اموی کے معاملہ میں معلوم ہوتا ہے۔ یہ بھی دلچسپ حقیقت ہے کہ اس زمرۂ علماء و عمال میں بنوامیہ کے کئی ممتاز افراد کی تقرری عمل میں آئی تھی جو ان کی انتظامی لیاقت کے علاوہ ان کی دینی بصیرت اور علمی صلاحیت کی بھی آئینہ دار ہے۔ مجموعی طور سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے انتظامی شعبوں کی مانند مذہبی امور کے شعبہ میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف صلاحیت ولیاقت کو اصل وجہ تقرری قرار دیا تھا اور باقی دوسری وجوہ یا تو ثانوی تھیں یا ان کو سرے سے لائق اعتنا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ نبوی انتظامیہ کو ہر میدان میں خاطر خواہ کامیابی ہوئی اور دنیا کے سامنے پہلی بار ایک مثالی ریاست اور اعلیٰ معاشرہ کا قابل عمل خاکہ پیش کیا گیا جو اپنی اندرونی خوبیوں اور اعلیٰ صفات کے سبب رہتی دنیا کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعلیقات وحواشی

۱۔ اس بحث کے لیے ملاحظہ ہو مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت وملوکیت، دہلی ۱۹۶۹ء، ص ۸۰-۱۳۰؛ محمد یٰسین مظہر صدیقی، عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت، نقوش، رسول نمبر، لاہور ۱۹۸۳ء، جلد پنجم ودوازدہم ص ۲۲۰-۳۲۲ اور ص ۱۱۰-۱۱۱ بالترتیب نیز سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، جلد ہفتم، نقوش لاہور، رسول نمبر جلد دوم ص ۹۹-۲۲۰۔

۲۔ ملاحظہ ہو تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جلد ۴ کے شمارے ۴، ۳، ۲، ۱۔

۳۔ ملاحظہ ہو ولیم میور، لائف آف محمد، لندن ۱۹۷۱ء ص ۲۲۶؛ مارگولیتھ، محمد، لندن ۱۹۰۵ء، ص ۲۲۶۔

۴۔ ابن اسحاق، سیرت رسول اللہ، انگریزی ترجمہ الفریڈ گیوم، لندن ۱۹۵۵ء، ص ۱۹۷-۱۹۸؛ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۵۷ء، اول ص ۲۱۹؛ طبری، تاریخ الرسل والملوک، قاہرہ ۱۹۶۱ء، جلد دوم ص ۳۵۲-۳۵۵؛ بلاذری، انساب الاشراف، قاہرہ ۱۹۵۹ء، اول ص ۲۳۹

۵۔ ابن اسحاق، ص ۱۹۸-۱۹۹؛ ابن سعد، سوم ص ۲۰-۲۱

۶۔ ابن اسحاق، ص ۱۹۹؛ ابن سعد، سوم ص ۱۱۸؛ انساب الاشراف، اول ص ۲۳۹؛ طبری، دوم ص ۳۵۷ اور ص ۳۶۶۔

۷۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، طبقات میں ان کے تراجم نیز عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت کا باب دوم۔

۸۔ ملاحظہ ہو عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت، باب دوم ص ۲۰-۴۱

۹۔ غزوات وسرایا کی نوعیت پر بحث کے لیے ملاحظہ ہو میرا مضمون "عہد نبوی کی ابتدائی مہمیں ۔ محرکات، مسائل اور مقاصد" نقوش رسول نمبر لاہور ۱۹۸۴ء جلد دوازدہم ص ۲۷۲ - ۲۸۳۔

۱۰۔ ابن اسحاق، ص ۲۸۸؛ واقدی، کتاب المغازی، مرتبہ مارسدن جونس، آکسفورڈ ۱۹۶۶ء، ص ۱۵؛ ابن سعد، دوم ص ۱۱، ص ۲۶-۳۵، ص ۵-۶۲، طبری، دوم ص ۱۳۳ء۔ نیز عہد نبوی میں تنظیم ریاست وحکومت کا باب اول ودوم۔

۱۱۔ ابن اسحاق ص ۶۷۲ وغیرہ؛ ابن سعد، ص ۸۹، ص ۱۲۷، ص ۱۲۸ وغیرہ۔ نیز ملاحظہ ہو تنظیم ریاست وحکومت کا باب دوم۔

۱۲۔ اس بحث کے لیے ملاحظہ ہو تنظیم ریاست وحکومت کے متعلقہ ابواب۔ نیز محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق، طبع قاہرہ ص ۲۲۳، ص ۲۹، ص ۴۱، ص ۴۹، وغیرہ۔

۱۳۔ قرآن کریم، سورہ توبہ ۲۴۔

۱۴۔ ابن سعد اول ص ۲۲۰، زبیری، نسب قریش، بیروت ۱۹۵۷ء ص ۲۵۴؛ ابن سعد، سوم ص ۲۰-۱۱۶، ص ۱۲-۶۰۸ وغیرہ

۱۵۔ بخاری، صحیح، باب الہجرۃ؛ ابوداؤد، سنن، ص ۱۲۹۔ بحوالہ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دوم ص ۹۰؛ مسند احمد بن حنبل، بحوالہ شبلی نعمانی ص ۹۰۔

۱۶۔ واقدی، ص ۳۴۷، ابن سعد، دوم ص ۵۲، ص ۵۶؛ طبری، دوم ص ۵۳۸ اور ص ۵۴۵-۵۴۶ نیز بخاری، غزوہ بئر معونہ، نیز ابن سعد، سوم وچہارم شہداء بئر معونہ، رجیع اور حضرت ابوہریرہ کے لئے خاص کر ابن سعد، چہارم ص ۳۲۵-۳۴۱۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۷؎ بخاری، فضائل اصحاب النبی؛ زبیری، ص ۱۴۲؛ کتانی، التراتیب الاداریہ، اول ص ۳۹-۴۰

۱۸؎ کتاب المحبر، ص ۲۸۶ اور ابن سعد، سوم ص ۵۱۳۔

۱۹؎ ابن سعد، ہشتم صحابیات کا باب، نیز ملاحظہ ہو سید سلیمان ندوی، سیرت عائشہ، اعظم گڑھ ۱۹۷۳ء ص ۱۱۲ وغیرہ۔

۲۰؎ بحوالہ شبلی نعمانی، دوم ص ۸۵؛ بخاری، صحیح، باب رحمۃ البہائم، ابن سعد، پنجم ص ۵۶۴۔ ۲۱؎ ابن سعد، چہارم ص ۲۱۲-۲۱۳

۲۲؎ بخاری، صحیح، غزوہ فتح؛ ابوداؤد، اور نسائی، کتاب الصلوٰۃ؛ طبری، سوم ص ۲۸۲۔

۲۳؎ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دوم ص ۵۰۰؛ واقدی، ص ۸۸۹ اور ص ۹۵۹؛ ابن سعد، دوم ص ۱۴۷؛ طبری، سوم ص ۹۴
نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۹۲۰-۹۳۱۔

۲۴؎ ملاحظہ ہو تنظیم ریاست و حکومت کا باب چہارم؛ مجموعۃ الوثائق ص ۱۳-۱۷۔

۲۵؎ ابن سعد، دوم ص ۳۳۵، ص ۳۴۰، ص ۳۴۸ اور ص ۳۵۰ اور کتانی، اول ص ۵۶-۵۸

۲۶؎ ابن سعد، سوم ص ۶۰۹؛ ابن اسحاق ص ۱۹۹-۲۰۰؛ اسد الغابہ، تہران طباعت ۱۳۷۷ھ، دوم ص ۵۶ اور بخاری اور
ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ۔

۲۷؎ بخاری، صحیح، کتاب الصلوٰۃ؛ واقدی، ص ۱۰۳۶؛ ص ۱۰۴۸، ص ۱۰۷۳؛ اسد الغابہ، سوم ص ۱۲۲ اور ص ۲۵۹-۲۶۰؛
ابن سعد، سوم ص ۵۵؛ چہارم ص ۳۴۵؛ نیز ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، دوم ص ۹۲؛ کتانی، اول ص ۷۷۔

۲۸؎ بحوالہ شبلی نعمانی، ص ۹۲ نیز ملاحظہ ہو واقدی، ص ۳۷۱

۲۹؎ ملاحظہ ہو تنظیم ریاست و حکومت کا باب اول اور اس کے متعلقہ حواشی اور تعلیقات۔

۳۰؎ نسائی، سنن، کتاب المساجد؛ کتاب الصلوٰۃ؛ ابن سعد، پنجم ص ۴۳۶، ص ۵۰۸-۵۰۹، بلاذری، فتوح البلدان
ص ۸۷-۸۸؛ اسد الغابہ دوم ص ۳۴۸؛ واقدی، ص ۸۷۵-۸۷۶؛ ص ۸۸۲ اور ص ۹۸۰۔ نیز ملاحظہ ہو شبلی نعمانی دوم ص ۹۲-۹۳۔

۳۱؎ واقدی، ص ۷۷۱، ص ۹۹۵ ص ۱۰۱۲؛ ابن سعد، دوم ص ۱۶۵؛ زبیری، ص ۲۶۵؛ طبری، سوم ص ۱۹۶؛ بخاری، باب بدء الاذان۔

۳۲؎ بخاری، باب بدء الاذان؛ باب مواقیت الصلوٰۃ؛ ابن اسحاق، ص ۲۳۵-۲۳۶، ابن سعد، سوم ص ۲۳۴، ص ۳۲۸؛ نیز اول ص ۲۴۸؛ اسد الغابہ
سوم ص ۲؛ زبیری، ص ۳۹۹؛ ابن سعد، پنجم ص ۴۵؛ اسد الغابہ دوم ص ۲۸۲-۲۸۳، ص ۲۲۱؛ نیز ملاحظہ ہو کتانی، اول ص ۷۶-۷۷۔

۳۳؎ ارزقی، کتاب اخبار مکہ، بیروت ۱۹۶۴ء، ص ۱۲۷-۱۲۸؛ ابن سعد، پنجم دوم ص ۱۲۷، ص ۱۴۲، ص ۱۶۸، پنجم ص ۴۴۶؛ محمد بن حبیب بغدادی،
کتاب المحبر ص ۱۱؛ ابن ہشام دوم ص ۵۰۰، ص ۵۴۵؛ واقدی ص ۸۴۵، ص ۹۵۹، ص ۱۰۷۷-۱۰۷۸، بخاری، کتاب الحج؛ حجۃ الوداع؛ مسلم
اور ابوداؤد، حجۃ الوداع؛ ابن اسحاق ص ۶۵۲؛ طبری، سوم ص ۱۵۱؛ اسد الغابہ، اول ص ۱۴۱-۱۴۲؛ کتانی، اول ص ۱۰۹۔

۳۴؎ طبری، دوم ص ۶۲۴؛ واقدی، ص ۵۲۲، ص ۵۳۶، ص ۱۰۷۷، ص ۱۰۹۰؛ ابن سعد، دوم ص ۱۲۱، ص ۱۶۳، ص ۱۶۸؛ اسد الغابہ دوم ص ۴۸
چہارم ص ۹۲، پنجم ص ۷۶؛ نیز ملاحظہ ہو ابن حزم، جمہرۃ انساب العرب، بیروت طبع ص ۱۷۶۔

۳۵؎ واقدی، ص ۸۳۸؛ ابن سعد دوم ص ۱۳۷؛ چہارم ص ۲۵؛ بخاری، کتاب الحج؛ اسد الغابہ، سوم ص ۱۰۹-۱۱۰ ص ۱۲۱؛ نیز واقدی
ص ۸۳۷-۸۳۸ ص ۸۴۲؛ بخاری، کتاب الصلوٰۃ؛ اسد، سوم ص ۳۷۲؛ زبیری، ص ۲۵۱-۲۵۲ اور اسد، اول ص ۲۱۴ اسی ترتیب سے۔

© rasailojaraid.com